کندی کا فلسفۂ اخلاق

شاہ محی الحق فاروقی

(مندرجہ ذیل مضمون جارج - ابن عطیہ کی کتاب الکندی کے باب پنجم کا ترجمہ ہے، حوالہ کے لئے اصل کتاب (انگریزی) ملاحظہ کی جائے)

الف - کندی کا اخلاقی نظریہ

مسلم اخلاقیات کے دو پہلو ہیں - اول یہ کہ اس کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے جن میں ہمیں یوم قیامت پر، اور اس بات پر کہ اس دن نیک اعمال کا پلا بھاری ہوگا، اسی طرح کا ایمان نظر آتا ہے جس طرح کہ عیسائیت میں ہے، ضابطۂ اخلاق کو ان الہامی احکام کی حیثیت دی جاتی ہے جو انبیاء کے اس سلسلے کے ذریعہ نسل انسانی پر نازل ہوئے جس کی آخری کڑی حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ان خدائی احکام سے انحراف کی سزا انتہائی شدید ہے - دوسرا پہلو اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ قانون کے مقابلہ میں انسان کو ایک ایسی ناقابل تحویل قدر حاصل ہے جس کا استخراج میزان عدل کے خالق اور مالک یعنی خدا سے ہوتا ہے -

اسی وجہ سے مسلمانوں کے اخلاقی ادب میں ہمیں سخت قسم کی ایک ضابطہ پرستی کے ساتھ ساتھ، جو میری رائے میں انسانی شخصیت کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے، ایک ایسی انسان دوستی بھی نظر آتی ہے جس کی بنیاد نفس میں تصور آزادی کے سرایت کر جانے پر یا ذہن کی آزادی پر ہے - بہت سے مسلمانوں نے، جنھیں یہ محسوس ہوا کہ قانون کی سخت پابندی اعلی اور برتر اخلاق کے حق میں ہمیشہ مفید نہیں ہوتی، اپنی شخصیتوں

کی تکمیل حکمت میں کرنے کی کوشش کی جن اخلاقی اصولوں کو انھوں نے اپنایا وہ یا تو اپنے ماحول کے متعلق ان کے سطحی تجربات کا نتیجہ تھے یا یونانی اخلاقی ادب سے ماخوذ تھے۔

یونانی اخلاقی افکار عربوں تک یقیناً زبانی اور ترجموں کے ذریعہ تحریری دونوں ھی شکلوں میں پہنچے ھوں گے۔ کندی کے زمانہ تک جن اخلاقی کتابوں کے ترجمے ھوئے تھے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود کندی کی ان چند کتابوں میں جو دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئیں جا بجا یونانی اثرات کے انمٹ نقوش مرتسم نظر آتے ھیں۔ ان اثرات سے کندی کے لئے لازمی طور پر یہ مسئلہ پیدا ھوا کہ یونانی روایات کو ایک منطقی ڈھانچہ کے اندر اسلامیات سے ھم‌آھنگ کیا جائے۔

کندی نے سیاسیات کے عام عنوانات پر جو بارہ رسالے لکھے تھے ان میں سے مکمل حالت میں صرف دو ھم تک پہونچے ھیں۔ اس کی تصنیفات اور خاص طور سے گمشدہ اخلاقی تصنیفات کی چند حکایات، اقوال اور چیدہ اجزاء جو کہیں کہیں المنتخب میں درج ھیں، اور پھر اس کے دو رسالے، یہی کچھ ھمارا ذریعۂ معلومات ھیں۔

جو کچھ مواد ھمارے پاس موجود ھے اس کی ایک نمایاں خصوصیت اس مروجہ اخلاقی ڈگر سے نمایاں انحراف ھے جو کندی کے ھم عصر مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھی۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ ان سب کی بنیاد متاخر یونانی عوامی ادب پر تھی اور وہ آسانی سے اس وقت تک کے معروف عربی ادب کی مختلف اقسام کے ڈھانچہ پر منطبق نہیں ھوتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ھے کہ کندی کو جبر و قدر کے اس انتہائی اھم مسئلہ سے واقفیت نہیں تھی جو ان دنوں ایک طرف معتزلہ اور دوسری جانب ٹھیٹ مسلمانوں کی گرما گرم بحث کا موضوع بنے ھوئے تھے۔ کندی نے بھی ایک کتاب "فی ان افعال الباری

کلها عدل لاجور فیها، لکھی جس کے بارے میں ھمارا قیاس یہ ہے کہ اس میں یقیناً معتزلی طرز فکر پائی جاتی ھوگی جن کا نظریہ یہ تھا کہ خدا صرف وھی کرسکتا ہے جو بہترین (الاصلح) ھو۔ اس کے علاوہ کندی کے یونانیت سے متاثر طریق اور بحیثیت ایک معتزلی کے اس کے اخلاقی نظریہ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ دراصل اس سے اس کے نقطۂ نظر کو اور تقویت ملتی ہے کیونکہ معتزلہ بھی اپنی بحث کی ابتدا اسی یونانی اصول سے کرتے ھیں کہ معتبر صرف عقل ہے۔

عرب کے مسلمان فلسفیوں نے عقل کو دو اھم شاخوں میں تقسیم کیا ہے ایک علمی اور دوسری عملی ۔ پہلی شاخ کا مقصد ان اشیاء کے علم میں تیقن حاصل کرنا ہے جن کا انحصار انسان پر نہیں ہے۔ دوسری شاخ یعنی عملی عقل کا مقصد ان افعال کے متعلق معقول رائے قائم کرنا ہے جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتے ھیں کہ وہ خیر کو عمل میں لائے۔ لہذا افعال سے متعلق ھونے کی وجہ سے اخلاقیات کا تعلق دوسری شاخ سے ہے۔ فلسفی اول بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اپنے رسالہ جواھر خمسہ (De Quinque Essentiis) میں وہ بھی فلسفہ کو دو شاخوں یعنی علمی اور عملی میں تقسیم کرتا ہے۔ پھر اس تقسیم کے جواز کی بنیاد وہ ماھیت روح کی اثنینی تقسیم یعنی عقلی اور ادراکی ارواح پر رکھتا ہے۔ عملی فلسفہ ادراکی روح سے مطابقت رکھتا ہے جو ان مختلف علوم میں منقسم ہے جن کے متعلق کندی کی رائے یہ تھی کہ نظریاتی علوم سے متعلق کسی رسالہ میں ان کا تفصیلی بیان اس وقت مناسب نہ تھا ۔ بہرحال یہ قیاس نہ کرنے کی کوئی وجہہ نہیں ہے کہ عملی علوم میں اخلاقیات یعنی بحیثیت ایک فرد، بحیثیت ایک رکن خاندان اور بحیثیت ایک رکن معاشرہ کے انسان کے افعال کا مطالعہ شامل ہے۔ ایسے لوگ موجود ھیں جو مسلمانوں کے سماوی قوانین اور نبوت کو

چوتھے علم کا درجہ دیتے ہیں لیکن جہاں تک کندی کا تعلق ہے ہم پورے اطمینان کے ساتھ اس بات کا قیاس نہیں کرسکتے کہ اس نے کبھی علم قوانین یا نبوت کو علم سیاسیات کی شاخ سمجھا ہو۔ اگر اس نے کبھی ایسا کیا ہوتا تو وہ ایسا کرنے والا پہلا مسلمان ہوتا۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کندی کا خیال یہ ہے کہ فلسفہ کا آخری مقصد اخلاق سے اس کے تعلق میں مضمر ہے فلسفی کا مقصد صداقت کو معلوم کرنا بھی ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے اندر جو انسان کی اعلی ترین تمنا کی حیثیت رکھتی ہے قیاس اور عمل باہم جمع ہیں لیکن اس کا لازمی مطلب علم اور نیکی کا اس طرح لازم و ملزوم ہونا نہیں ہے جو سقراط کے یہاں پایا جاتا ہے حکمت کے رواقی نظریہ کے سلسلہ میں کندی کے طریق فہم میں ایک بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ نیکی اور قیاس کی تلاش فی نفسہ کوئی مقصد نہیں بلکہ یہ تو خدا کو جاننے کی مسرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ چنانچہ اخلاقی علوم کا مقصد نیکی اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کے لئے علم حاصل کرنا ہے۔ علم محض خیر اور شر میں تمیز کرنے کے ہی لئے نہیں بلکہ یہ تو روح کی اس پاکیزگی کو قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے جو خالق کے نور کو منظم کرنے اور اس طرح صحیح مسرت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ ایک لحاظ سے فلسفہ اس خالق کی نقل ہے جو دانا اور منصف ہے گویا اس (خالق) کی نقل کرکے ہم خود کو اس سے قریب تر لاتے ہیں۔

کندی کا یہ نظریہ کہ نیک عمل انسان کی فطری خواہش ہے خاص دلچسپی کا حامل ہے۔ کندی کا خیال ہے کہ ذہن کی الوہی فطرت کی بنا پر انسان میں نیکی کرنے کا میلان ودیعت ہے۔ بدی اس کی فطرت سے مناسبت نہیں رکھتی۔ "نیکی انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے اور بدی محض ایک

عرض (اتفاقی حادثہ) ہے،،۔ بدی اس وقت ظہور پذیر ہوتی ہے جب جذبات عقل پر غالب آجاتے ہیں ۔ جسم انسانی میں روح کے قیام کی وجہہ سے جو آویزش پیدا ہوتی ہے اس میں ہمارے احساسات کے حملوں کو روکنے میں علم ہماری مدد کرتا ہے لہذا نیکی اس فعل کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے جہاں جذبات قابو میں رہتے ہیں تاکہ انسانی فطرت اپنی روش پر قائم رہ سکے۔ نتیجۃً نیکی اور بدی ارادی افعال ہیں ۔ اچھائی انتخاب ہے ان دو باتوں میں کہ یا تو ہم انسان بن جائیں یا جانوروں کی طرح ہو جائیں ۔ یہ اقدار کا بھی ایک انتخاب ہے۔ عالم خردی اور عالم مظہری کے درمیان کائنات کی افلاطونی اثنینی تقسیم کو کندی نے اپنے حسب منشا بدل لیا ہے اور اس طرح وہ صرف عالم خرد اور روحانی سرمایہ ہی کو ایسی صحیح اور دائمی چیز سمجھتا ہے جن پر کچھ غور کیا جا سکتا ہے۔ اس عالم مظہری میں ہمارا قیام عارضی ہے۔ یہ ایک ابدی دنیا کی جالب سفر ہے۔ کندی کہتا ہے کہ سب سے زیادہ بدنصیب شخص وہ ہے جو روحانیت پر مادیت کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ مادیت کی صفت یہی نہیں کہ وہ عارضی ہے بلکہ عالم روحانی کی جانب ہمارے سفر میں وہ مزاحمت بھی پیدا کرتی ہے۔ ’’انسانی برائیوں سے بچنے کے لئے کسی بھی ذریعہ سے انسان کو بے التفاتی نہیں برتنی چاہئے اور اسے کوشش کرنی چاہئے کہ وہ انسانی فضیلتوں کی انتہائی بلندی یعنی اس علم تک پہنچے جس کے ذریعہ ہم خود کو روحانی اور جسمانی بیماریوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور وہ انسانی فضیلتیں حاصل کرتے ہیں جن کی ماہیت ہی میں خوبیاں رچی بسی ہیں،،۔

بہر حال جب کندی نیکی کی تعریف کرتا ہے تو خود وہ عالم دیگر کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ سماوی فضیلتوں کی اہمیت و اقدار میں کوئی کمی کئے بغیر انسانی فضیلتیں اس کے دل و دماغ پر محیط ہیں ۔ وہ کہتا

ہے کہ دنیاوی مسرتوں کے حصول کا ذریعہ ان خارجی اسباب کو زیادہ سے زیادہ کم کردینے میں ہے جو محض رنج و غم پیدا کرتے ہیں اور اخروی مسرتوں کے حصول کا ذریعہ خدا کو جاننے اور ان اعمال کے بجالانے میں ہے جن کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمیں اس (خدا) سے قریب تر لاتے ہیں۔

گویا اگر کندی کے اخلاقی نظریات افلاطونی اور اسلامی ہیں تو اس کے تصور فضیلت کے اجزاءترکیبی ارسطاطالیسی ہیں۔ وہ فضیلت کی تعریف "لائق ستائش انسانی مزاج" کے الفاظ سے کرتا ہے۔ اور وہ افلاطون کے چار امہات الفضائل یعنی عقل، شجاعت، ضبط نفس اور عدل کو اختیار کرتا ہے۔ پہلی تین روح کی فضیلتیں ہیں یعنی وہ خود روح کے اندر کے مربوط افعال ہیں۔ چوتھی فضیلت "جسم کے باہر روح کی فعلیت" ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہئیت معاشری میں ایک فعلیت ہے کیونکہ عدل کا تعلق انسان کے ان مربوط افعال سے ہے جنھیں وہ معاشرتی رشتوں کے دائرہ میں انجام دیتا ہے۔ مزید برآں جب کندی روح کے تمام عناصر کی مربوط اور باہم دگر فعلیت کا حوالہ دیتا ہے تو وہ عدل کی جگہ اعتدال کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

کندی کے رائے میں عدل اوسط پر بھی دلالت کرتا ہے جو خیر الامور ہے۔ عدل افراط اور تفریط کی ضدین کے درمیان ایک خوشگوار توازن کا نام ہے۔ اعتدال جس کا مخرج عدل (خیر الامور اوسط) ہے دراصل روح کے صحیح افعال کا جوہر ہے۔ "خیر الامور اوسطہا" کا اصول ہر چیز میں پایا جاتا ہے اور یہ طبیعت حقیقی کا جوہر ہے کیونکہ اعراض افراط و تفریط کی ضدین کے درمیان خیر الامور سے انحراف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قوت ممیزہ کے اوسط کا مقصد نہ تو اس مفید صداقت سے غیر مکتفی ہونا ہے اور نہ کذب یعنی فریب

اور دغا کے شر کی جانب مائل ہوتا ہے۔ قوت غضبیہ کا اوسط یہ ہے کہ نہ تو اس سے کم کھایا جائے جتنا زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے اور نہ اتنا کھایا جائے کہ انسان بیمار پڑ جائے اور اپنے اعلی فرائض کو ادا کرنے میں ناکام رہے۔ مغلوب الغضب روح کا اوسط یہ ہے کہ نہ تو ہم شجاعت میں کمی کریں یعنی جسمانی زخموں کو حقیر سمجھیں نہ بدنصیبی کے خلاف حفاظت کی اہمیت میں کمی کریں نہ حدود کو پھلانگ کر وہ چیز غصب کرلیں جو ہماری نہیں ہے اور نہ غصہ، حماقت اور غضب کا شکار ہوں۔ لہذا جو چیز ہماری فطرت کے مطابق ہے وہ حکمت، عدل، ضبط نفس اور شجاعت ہے۔ اگرچہ ان کے برعکس خصلتیں بھی ہمارے اندر پائی جاتی ہیں لیکن ان کی حیثیت اعراض کی ہے اور ہم سے ان کا تعلق فطری نہیں ہے۔

مزید برآں کندی ایک دوسرے ارسطاطالیسی نظریہ کا بھی فائدہ اٹھاتا ہے یعنی ہماری محبت اور نفرت کے مقاصد کا انحصار ہماری عادت اور کثرت استعمال پر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر ہم کس طرح نیک اعمال کی عادت ڈال سکتے ہیں۔ کندی نے اس کا جو جواب دیا ہے اس کا تعلق بڑی حد تک ان باتوں سے ہے جنھیں اس نے یونانی روایات سے اخذ کیا ہے۔

ب۔ کندی اور یونانی اخلاقی روایات:

ہم نے اوپر جابجا دیکھا ہے کہ کندی کی تصنیفات کس طرح یونانی فکر سے متاثر ہیں خاص طور سے اخلاقیات کے معاملہ میں اس پر یہ اثر سب سے زیادہ نمایاں ہے کیونکہ اگرچہ کندی نے اسلامی نقطۂ نظر میں ڈھالنے کے لئے فضیلت کے مقصد میں تبدیلی کر دی لیکن اس کی اخلاقی تحریروں کا طرز اور بہت حد تک مواد بھی یونانی ہی رہا۔ ہمارے پاس سقراط کے بہت سے اقوال، ایک رسالہ اور اس کے قطعات ادبی کا ایک مجموعہ موجود ہے جن سے غیر مبہم طور پر اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔

عرب کے عوامی اور معیاری ادب میں اقوال عام طور سے پائے جاتے ہیں اور مشرقی مصنفین ان کا استعمال بطور کلیہ کرتے ہیں ۔ لیکن کندی نے ہمارے لئے جو اقوال چھوڑے ہیں وہ ان لطائف کی طرح نہیں ہیں جو عرب کے عوامی اقوال کا طرہ امتیاز ہیں بلکہ ان اقوال کی حیثیت در اصل ان نصائح کی ہے جو انسان کو اپنی اصلاح اور روح کے تزکیہ پر آمادہ کرتے ہیں ۔ در اصل یہ اقوال انسان دوستی پر مبنی ہیں کیونکہ یہ انسان کے صحیح افعال کی صحت کو اہمیت دیتے ہیں ۔ چند اقوال یہ ہیں ۔

"رسالہ فی الحیلۃ لدفع الاحزان،، اخلاقیات سے متعلق کندی کی واحد مکمل تصنیف ہے جو ہم تک پہنچی ہے ۔ اس کتاب کا موضوع حزن کی ماہیت، اس کے اسباب اور اس کے ورود یا غیر ضروری غلبہ کے انسداد کے طریقوں کے گرد گھومتا ہے ۔

اس کتاب کے پہلے حصہ میں کندی نظریات قائم کرنے کے ساتھ ساتھ حزن کے اسباب کی عام تشریح بھی کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جو ان اشیاء کے ضائع ہونے سے پیدا ہوتی ہے جنہیں ہم دل سے عزیز رکھتے ہیں ۔ ہر انسان کے ساتھ یہی حالت ہے کیونکہ ہم سب ان اشیاء کو تلاش کرتے ہیں جن کی فطرت میں زوال ہے ۔ حزن ان چیزوں کی خواہش سے بھی پیدا ہوتا ہے جنہیں حاصل کرنا مشکل ہو ۔ ان اشیاء سے بھی پیدا ہوتا ہے جنہیں حاصل کرنے کی ہم امید لگا بیٹھتے ہیں ۔ اور اگر ان اشیاء کو ضائع کر دیں تو اس نقصان کے درد سے بھی حزن پیدا ہوتا ہے ۔ حزن سے محفوظ رہنے کے لئے انسان کو حقیقی دنیا کی طرف دیکھنا چاہئے اور اپنی خواہش اور محبت کا مرکز ان چیزوں کو بنانا چاہئے جن کی واقعی کوئی اہمیت ہے، یعنی وہ چیزیں جو لافانی ہیں اور ہمیشہ ہمارے ساتھ رہ سکتی ہیں ۔ اس کے علاوہ ہمیں چاہئے کہ اپنی خواہش ان اشیاء تک

محدود رکھیں جن کا حصول ممکن ہو، نیز امیدوں اور گم کردہ چیزوں کے درد کو گھٹا کر ایک روحانی توازن پیدا کرنا چاہئے۔

ہر شخص کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ حزن یاتو ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے یا چند ایسی قوتوں کا نتیجہ ہے جو ہمارے قابو سے باہر ہیں ۔ اگر ہمارے بس میں ہو تو ہمیں ان افعال سے پرہیز کرنا چاہئے جو حزن پر منتج ہوتے ہیں ۔ اگر ہم اپنے جذبات کو آزاد چھوڑ دیں تو ہم خود اپنی آزادی کو کھو بیٹھیں گے اور لوگوں کے استہزا کا نشانہ بن جائیں گے ۔ اب اگر یہ سچ ہے کہ حزن ان افعال کا نتیجہ ہے جو ہمارے قابو سے باہر ہیں تو یہ دیکھ کر کہ کون و فساد کی تابع شے کی زندگی دائمی نہیں ہوتی ہم اس کا عرصہ کم سے کم کرسکتے ہیں ۔ مزید برآں اگر کسی شخص کے لئے قناعت کی زندگی گزارنا ممکن ہو تو پھر اسے کبھی ملول و محزون نہیں ہونا چاہئے ۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں کندی عملی نصیحتیں کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ حزن سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے ان گذشتہ حزن انگیز واقعات کو یاد کریں جن پر ہمیں آخر صبر آگیا اور اسی طرح دوسروں کے ان گذشتہ حزن انگیز واقعات کو یاد کریں جن پر آخر ان لوگوں کو صبر آگیا ۔ وہ اس اصول کی تشریح کے لئے ایک فرضی حکایت بیان کرتا ہے جو اس نے سکندر اعظم کی یونانی کہانیوں سے لیا ہے ۔ جب سکندر کو یہ یقین ہوگیا کہ اس کی موت قریب ہے تو اس نے اپنی ماں کو صبر دلانے کے لئے ڈرامائی انداز میں اسے یہ احساس دلایا کہ کوئی شخص قانون قدرت کو نہیں بدل سکتا ۔ اس نے اپنی ماں کو لکھا "اے سکندر کی ماں ! اگر تو کبھی اپنے بیٹے کی موت کی خبر سنے تو یہ نہ بھول کہ اس نے کبھی کاہل بادشاہوں کا وطیرہ نہیں اپنایا لہذا اے ماں تم بھی یہ وطیرہ اختیار نہ کرنا ۔ اس کی موت

کی خبر سن کر تو اس بات کا انتظام کر کہ ایک نیا شہر آباد کیا جائے اور اس کی افتتاحی رسم کے موقع پر افریقہ، یورپ اور ایشیا سے لوگوں کو مدعو کیا جائے - پھر اپنے مہمانوں سے درخواست کر کہ وہ اس جشن کے موقع پر خوب کھائیں پیئیں اور خوشی منائیں - لیکن دعوت نامہ بھیجتے وقت یہ بات صاف طور پر کہہ دے کہ صرف وہ لوگ آئیں جو خود کبھی کسی تکلیف سے دوچار نہ ہوئے ہوں کیونکہ تجہیز و تکفین کی رسم اس وقت تک خوش دلی سے انجام نہیں دی جا سکتی جب تک اس میں حصہ لینے والے ایسے لوگ نہ ہوں جنھوں نے کبھی حزن کا تجربہ نہ کیا ہو"۔

سکندر کی موت کی خبر سن کر اس کی ماں نے حکم دیا کہ اس کے بیٹے کی وصیت پوری کی جائے - لیکن افتتاح کے دن یہ دیکھ کر اسے بڑا تعجب ہوا اور اس کا دل ٹوٹ گیا کہ ایک شخص بھی نہیں آیا - اس نے کہا "یہ کیا بات ہے کہ لوگوں نے ہماری دعوت کو قبول نہیں کیا ؟" جواب ملا کہ تو نے صرف ایسے لوگوں کو بلایا تھا جنھیں کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو اور چونکہ دنیا میں ایسے کسی آدمی کا وجود نہیں ہے لہذا اس جشن میں کوئی نہیں آیا - یہ سن کر اس نے کہا "اے سکندر! تیرا انجام تیرے آغاز سے کس قدر مماثل ہے - تیری جدائی سے مجھے جو صدمہ ہوا اس پر مجھے صبر کی تلقین کرنے کے لئے تو نے بڑا عمدہ طریقہ اختیار کیا، یعنی مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ نہ تو واحد غمزدہ عورت میں ہوں اور نہ رسوائی کے لئے صرف میرا انتخاب ہوا ہے"۔

دوسری عملی نصیحت اس اصول سے متعلق ہے کہ صحیح امارت مادی اشیاء کا نام نہیں - صحیح امارت روحانی دولت سے حاصل ہوتی ہے اور دراصل اسی دولت کے ضیاع پر ہمیں سب سے زیادہ افسوس ہونا چاہئے - مادی دولت تو درحقیقت عوامی جائداد ہے جسے قادر مطلق نے ہمیں بطور قرض دی

رکھا ہے۔ وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ قرض ہونے کی وجہ سے عارضی مالک کو اس کی واپسی پر ملول نہیں ہونا چاہئیے۔ مادی اشیاء ہی انسان کی تکلیفوں کا باعث ہیں اور کسی عقلمند کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنی روح میں گھن لگانے کے لئے تکلیفوں کو دعوت دے۔ یہاں وہ سقراط کی مثال دیتا ہے اور اس کی زبان سے کہلواتا ہے کہ میں کبھی کسی ایسی چیز کا مالک نہیں رہا جس کے نقصان کا مجھے اندیشہ ہو لہذا جو شخص واقعی عقلمند ہے وہ کم سے کم مادی اشیاء رکھ کر یا بالکل ہی خالی ہاتھ رہ کر غم و الم سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس اصول کو ثابت کرنے کے لئے کندی ایک دوسری حکایت بیان کرتا ہے اس حکایت کا اہم کردار سکندر نہیں بلکہ نیرو ہے۔

نیرو کو ایک بار بہت خوبصورت شامیانہ تحفہ میں پیش کیا گیا۔ ایک فلسفی نے جو اس وقت موجود تھا اسے مشورہ دیا کہ یہ تحفہ واپس کردے۔ فلسفی نے کہا کہ ''اگر تم نے کبھی یہ شامیانہ گم کردیا تو پھر تم اسے دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے اس وقت تمہارے غم کی انتہا نہ ہوگی کیونکہ ناسمکن الحصول کے سامنے تمہاری غربت بے نقاب ہوجائے گی '' لیکن فلسفی کا مشورہ بیکار گیا۔ نیرو ایک روز سیر کے لئے گیا اور حکم دیا کہ کشتی کے ذریعہ شامیانہ اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ جو کشتی اس محبوب بار کو لے جارہی تھی ڈوب گئی اور دوبارہ ویسا ہی شامیانہ حاصل کرنے میں شہنشاہ ناکام ہوگیا۔ آخر جب اسی قسم کا دوسرا شامیانہ اسے نہ ملا تو غم کی وجہہ سے مر گیا۔

لہذا رنج و غم پر قابو پانے کی جدوجہد دراصل خارجی جذبات پر قابو پانے کی اندرونی جدوجہد ہے۔ کندی انسانی زندگی کی مثال ایک کشتی کے سفر سے دیتا ہے جو مسافروں سے بھری ہوئی ہو۔ ان مسافروں میں کچھ ایسے ہیں جو ہر قسم کی اشیاء خورد نوش بھر لینا چاہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو بہت کم سامان کے ساتھ یا بغیر سامان کے ہلکے پھلکے سفر کرنا چاہتے

ھیں - کشتی پر ھر مسافر کے لئے جگہ محدود ہے - لہذا قدرتی بات ہے کہ جو لوگ فالتو اشیاء بھر لیں گے وہ جگہ کی قلت کی وجہ سے تکلیف اٹھائیں گے -

کندی رنج و غم کے دو خاص اسباب، یعنی اجزاء غیر اھم کے نقصان اور اپنی محبوب اشیاء کے حصول میں ناکامی، پر ایک تیسرے اصول کا اضافہ کرتا ہے، یعنی موت کا خوف - بہرحال وہ کہتا ہے کہ موت تو صرف ھماری انسانی فطرت کی تکمیل ہے - لہذا جو چیز فطری ھو اس سے کسی کو خوفزدہ نہیں ھونا چاھئے - کیونکہ وہ ان اسباب کا نتیجہ ہے جو ھمارے قابو سے باھر ھیں -

اس بات کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ کندی نے کس طرح سے اجزاء غیر اھم کی تحقیر اور روح کی تربیت کے کلبی نظریات کو اختیار کیا اور پھر انھیں عملی پیمانہ میں ڈھال لیا - مادی املاک کے سلسلہ میں اس کا نقطۂ نظر ان نظریات سے مختلف ہے - وہ صرف یہ سمجھتا ہے کہ ”جتنا کم ھو اتنا ھی بہتر ہے“ -

کندی کی تیسری تصنیف جس میں یونانی روایات بہت نمایاں نظر آتی ھیں وہ اس کے سقراطی قطعات ادبی کا مجموعہ ہے جس کا نام ”رسالة فی الفاظ سقراط“ ہے - کندی سقراط کی شخصیت سے متاثر ھونے والا پہلا مسلمان ہے - سقراط کی شخصیت اور تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر اس کی تصنیفات میں یونانی فلسفی کے متعلق اس کی پسندیدگی نمایاں ہے - سقراط کی شخصیت سے کندی کی دلچسپی کا باعث غالباً یہ ھوگا کہ دونوں ھی اپنے اپنے زمانہ میں حق گوئی کی خاطر عقوبتوں کا شکار ھوئے اور اسی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس نے سقراط کی موت پر پوری ایک کتاب کیوں لکھدی - سقراط کی موت کا موضوع بعض فلسفیانہ حلقوں میں خاص دلچسپی کا حامل تھا - ھم جانتے ھیں کہ اخوان الصفا نے سقراط کی موت کو حضرت عیسیٰ کی موت اور کربلا کی شہادت سے تشبیہ دی ہے -

یہ تسلیم کرنے کے لئے وجوہ موجود ہیں کہ کندی نے اپنے علم کے مطابق سقراط کی تعلیمات پر عمل کرکے سقراط کی تقلید کرنے کی کوشش کی۔ المنتخب کے بہت سے اقوال کندی کو ایک ایسے انسان کے طور پر پیش کرتے ہیں جو سقراط ہی کی طرح بادشاہوں کے ایوانوں اور رؤسا کے دولت کدوں میں قسمت آزمائی نہیں کرتا۔ بہرحال جس سقراط کو عرب جانتے ہیں وہ اصلی تاریخی سقراط نہیں ہے بلکہ وہ تو ابتدائی افلاطونی مکالمات کا سقراط بھی نہیں ہے۔ ابوبکر محمد الرازی جن کا انتقال کندی کے انتقال سے کوئی پچاس برس بعد ہوا تھا دو مختلف سقراطی روایتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے عہد میں مشہور تھیں۔ ایک روایت کے مطابق، جس کی حمایت رازی کے چند ناقدین کرتے تھے، اور جو غالباً علماء دین پر مشتمل تھے، سقراط ایک تارک الدنیا انسان تھا، جو نہ صرف معاشرہ سے بلکہ نسل انسانی کی بقا سے بھی بیزار تھا۔ دوسری روایت کے مطابق، جس کے علمبردار رازی خود تھے، سقراط اعتدال کا ایک نمونہ تھا، ایک ایسا انسان جو اپنے ملک کے دفاع کے لئے ہتھیار اٹھاتا ہے، لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور متاہل زندگی گذارتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی تائید میں سقراط کی زندگی کے مختلف واقعات کو پیش کرکے رازی نے اس اختلاف رائے کی توجیہہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال سقراط کی شخصیت کے ان دو مختلف مرقعوں کا ماخذ تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ یونانی دور میں دیوجانس کلبی اور سقراط کی شخصیتیں گڈمڈ ہو گئی تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایتیں جس طرح عربوں تک پہنچیں انھوں نے بغیر نقد و جرح کے انہیں قبول کرلیا، لہذا دینی علماء نے سقراط کی زندگی کا وہ رخ لے لیا جو دراصل کلبی کا تھا، لیکن اس کے برعکس رازی وغیرہ نے مختلف کتابوں یعنی Apology ، Phaedo ، اور Crito کی مدد سے سقراط کی زندگی کے زیادہ مستند رخ کو لیا۔ دوسرے عرب مصنفین نے رازی کی طرح چھان بین نہ کی اور انھوں نے دو باہم مختلف مگر مخلوط روایتوں کو بغیر کسی تضاد کا شبہہ کئے ہوئے قبول کرلیا۔

بہر حال مختلف عرب مصنفوں کا مطالعہ کرنے سے ایک عمومی تصویر جو سامنے آتی ہے اسے شہرستانی نے ان الفاظ میں منضبط کیا ہے ''سقراط نے حکمت کا مطالعہ فیثاغورث اور ارشیلاس کے ساتھ کیا لیکن فلسفہ میں اس کی دلچسپی دینیات اور اخلاقیات تک محدود تھی۔ وہ گوشہ نشینی، تادیب نفس اور اصلاح اخلاق کی مشق کرتا رہتا تھا۔ دنیوی لذائذ کو ٹھکرا کر ایک پہاڑ کو اس نے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ چونکہ وہ اپنے معاصر رہنماؤں کو بت پرستی کے خلاف خبردار کرتا رہتا تھا لہذا انھوں نے عوام کو اس کے خلاف بھڑکا دیا اور بادشاہ کو مجبور کردیا کہ وہ اس کی موت کا حکم دے دے۔ اسے جیل میں ڈال دیا گیا اور جیسا کہ عام طور سے معلوم ہے اسے زہر پلا دیا گیا''۔ اس رائے پر سعید ان الفاظ میں اضافہ کرتے ہیں کہ ''سقراط نے بادشاہ سے مناظرے کئے اور وہ ہمارے لئے مفید نصیحتیں، اعلیٰ اقوال اور مشہور امثال چھوڑ گیا۔ فیثا غورث اور Empedocles کے نظریات کی مانند خدائی اوصاف کے بارے میں اس کے کچھ نظریات سے قطع نظر معاد کے متعلق اس کا نظریہ کمزور اور خاص فلسفہ سے بعید ہے کیونکہ اس سلسلہ میں اس کا نظریہ مصدقہ نظریات سے بہت مختلف ہے''۔

کندی کی تصنیفات میں ہمیں سقراط کا جو مرقع نظرآتا ہے وہ ایک مصلح کا مرقع ہے۔ دیو جانس کے اقوال جو سقراط کو ایک تارک الدنیا کے طور پر پیش کرتے ہیں کندی کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اس کا ایک پیپے میں بند ہوکر رہنا اور پھر سکندر (؟) کو اس کا مشہور جواب ''میری دھوپ چھوڑ دو'' یہ سب کندی کی کتابوں میں ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام اقوال کو جنھیں ہم نے بیان کیا ہے کندی نے صرف ان کے اخلاقی رجحان کی وجہ سے قبول کرلیا ہے۔ وہ ان اقوال کو سقراط کے راہبانہ رجحانات کا نمائندہ نہیں سمجھتا۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ کندی کے یہاں سقراط مثالی اعتدال اور انسان کی روحانی اقدار کا مرد میدان نظر آتا

ہے۔ وہ ایک انسان ہے جو اپنے زندہ افکار کو ضبط تحریر میں لاپتا ہے اس لئے انکار کرتا ہے کہ وہ انہیں مردہ سواد نہیں بنانا چاہتا۔ وہ ایک توحید پرست اور بت پرستی کا دشمن ہے۔ وہ مادی اسباب کے خلاف باتیں کرتا ہے۔ روحانیت کی برتری کی حمایت کرتا ہے۔ اس کے نزدیک روحانیت ھی زندگی کا جوہر ہے۔ تمام مادی اسباب فانی ھیں لیکن روحانی چیزوں کو ابدیت حاصل ہے جو اپنے مالک کا ساتھ ھمیشہ اور ھر حال میں دیتی ھیں۔ یہاں ھم خود کو اس موضوع کے مد مقابل پاتے ھیں جیسے حزن و غم کے اسباب اور انہیں دور کرنے کے طریقوں کے متعلق اپنے نظریہ کی تعمیر کے لیے کندی استعمال کرتا ہے۔

حکمت کو ایک انتہائی قیمتی چیز اور صحیح مسرت حاصل کرنے کا ایک محفوظ ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ھمیں موت سے خوف زدہ نہیں ھونا چاھئے کیونکہ موت کی تلخی خود موت کا نہیں بلکہ موت کے خوف کا نتیجہ ہے۔ پھر عدل کو اھم ترین فضیلت سمجھا جاتا ہے۔ ھر منصفانہ بات نیکی اور ھر غیر منصفانہ بات بدی ہے۔ دوسرے لفظوں میں عدل نیکی اور بدی کا معیار ہے۔

ان چند اصولوں کی ان اصولوں سے مماثلت جنھیں کندی نے گذشتہ تصنیف میں استعمال کیا ہے جاذب توجہ ضرور ہے لیکن تعجب خیز نہیں ہے۔ اس سے یہ مطلب لینا چاھئے کہ سقراط سے متعلق دوسری اخلاقی تصنیفات بھی جو کندی کی جانب منسوب ھیں روحانی تصرفات کے سلسلہ میں اسی رجحان فکر کی پیروی کرتی ھیں یعنی عدل اور اعتدال اعلیٰ ترین فضائل ھیں۔

مزید برآں یہ اقوال جنھیں کندی سقراط کی جانب منسوب کرتا ہے ایک اور لحاظ سے بھی بڑی اھمیت کے حامل ھیں یعنی غالباً مماثل مجموعوں کے سلسلہ میں جو مختلف عربی کتابوں میں بکھرے ھوئے نظر آتے ھیں یہ مجموعہ قدیم ترین ہے۔ بعد کے مصنفین کے لئے جنھوں نے سقراط یا اس کے اقوال کے بارے میں لکھا حنین بن اسحق کے مقابلہ میں کندی زیادہ آسانی کے ساتھ ماخذ کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

ج - مسلم اور مغربی فکر میں کندی کا مقام

مسلم فکر میں کندی کے مقام پر سب سے دلچسپ دستاویز المنتخب کی ایک سوانحی یاد داشت ہے جو نہ صرف اس کے منہاج (طریق) اور تصنیفات پر ایک نئی روشنی ڈالتی ہے بلکہ وہ اسے اس میدان کے ابتدائی مصنفین کے شانہ بشانہ کھڑا کردیتی ہے۔ اس یاد داشت کے مطابق ”فلسفہ اور اس کی تمام شاخوں، علوم قطعیہ اور اس سے متعلق تمام چیزوں، اس کے علاوہ عربوں کے علوم سے اپنی واقفیت اور علم و ادب مثلاً قواعد، شاعری، نجوم، ادویات اور مختلف علوم و فنون میں اپنے امتیاز کی بدولت ابو یوسف یعقوب بن الاسحق الکندی کو مسلمانوں میں اولیت کا امتیاز حاصل ہے اور یہ وہ خصوصیات ہیں جو بیک وقت کسی ایک شخص میں بہت کم جمع ہوتی ہیں۔ اس کی کتابوں کی فہرست ایک دستہ (چوبیس ورق) کاغذ سے زیادہ پر آتی ہے۔ وہ احمد بن محمد المستعصم کا اتالیق تھا۔ اس کے لئے اپنی بہت سی کتابیں مرتب کیں۔ اسے مخاطب کرکے بہت سے رسائل لکھے اور اس کے سوالوں کے جوابات لکھے۔ وہ مسلمانوں میں اس طرز تحریر کا بانی ہے جسے آئندہ نسل کے مسلم علما اور ادبا نے اختیار کیا۔ مامون کے زمانہ میں جن لوگوں نے کندی سے پہلے شہرت حاصل کرلی تھی وہ بیشتر عیسائی تھے جنھوں نے اپنی کتابوں میں قدیم طرز تحریر استعمال کیا تھا۔“

”چونکہ اس کی کتابیں اور رسائل بہت مشہور ہیں، ان کا حلقۂ اشاعت بہت وسیع ہے اور عام طور سے دستیاب ہیں لہذا میں اس کی تصنیفات کے تمام اہم نکات کو تفصیل سے بیان نہیں کرونگا بلکہ بغیر کسی ترتیب کے کہیں کہیں سے اس کی تصنیفات سے ان اقوال کے اقتباسات پیش کردوں گا جو اس کتابوں کی زینت کے لئے ناگزیر ہیں“۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر واقعی مسلمانوں میں کندی کو فلسفہ میں

اولیت کا فخر حاصل ہے تو آخر اس امتیاز کی بنیاد کیا ہے۔ عرب مسلم فلسفہ میں کندی کا خاص حصہ یہ ہے کہ اس نے صداقت میں ارسطو کو ویسا ہی مستند تسلیم کیا ہے جیسے کہ خود مذہبی قانون۔ فلسفہ کو مسلمانوں میں مقبول کرنے اور انتہائی قابل توجہ علم کے طور پر اس کے دفاع میں کندی کی جو کوششیں ہیں وہ اسے ایک ایسے مشعل‌بردار کی حیثیت دیتی ہیں جو آنے والی نسل کے مسلمان مفکروں کے راستہ کو منور کر رہا ہو۔ فلسفہ کے ساتھ اپنے ہم عصروں کی نیم دلانہ اور دکھاوے کی محبت کی جگہ کندی نے قطعی اور واضح طور پر فلسفہ کو حصول حق کے مستند ذریعہ کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ اپنے تراجم یا تراجم کی اصلاحات کے ذریعہ، اپنی شرحوں کے ذریعہ اور اپنی تصانیف کے ذریعہ اس نے اسلام میں فلسفہ کی تحریک کو اس راہ پر گامزن کردیا جس کی معراج بو علی سینا اور ابن رشد جیسے لوگ تھے۔

عرب مسلم فکر میں مابعد الطبیعیات، نفسیات اور اخلاقیات کے مسائل متعارف کرانے کا فرض کندی نے انجام دیا۔ اس کے طریق کو جس کی بنیاد یونانی منطق اور سائنسی اصولوں پر تھی بعد میں غزالی جیسے مذہبی رہنما نے بھی اپنا لیا۔ دوسرے لفظوں میں کندی نے اس خلیج کو پاٹ دیا جو چند مذہبی لوگوں مثلاً معتزلہ کی عقلیت اور خالص فلسفہ کے درمیان پیدا ہوگئی تھی۔ کہیں کہیں اختلاف کے باوجود بعض مسائل میں وہ ان علماء سے متفق ہیں مثلاً علم نبوی کا مسئلہ یا یہ نظریہ کہ ارادۂ خداوندی نے محض عدم سے کائنات کی تخلیق کردی یا خدا کی وحدانیت اور عدل کے تصور کی حد تک یہ اتفاق پایا جاتا ہے لیکن بہت سی باتوں میں وہ ان کا مخالف بھی ہے۔ مثلاً اپنے مفروضات کو ثابت کرنے کے لئے منطق اور ریاضی کے استعمال میں، علوم انسانی کی ترویج میں دلچسپی اور غالباً اس عقیدہ جبریہ میں بھی اسے علماء سے اختلاف ہے جو ارسطو کے نظریۂ کائنات اور علم نجوم کو تسلیم کرلینے کا نتیجہ ہے۔

ارسطو، افلاطون اور عرب فلاسفہ فارابی، بوعلی سینا اور ابن رشد کے برعکس جو کائنات کی ابدی تخلیق و تجلی کے قائل ہیں کندی مذہبی نقطۂ نظر کے مطابق محض عدم سے تخلیق کے نظریہ کا اور خدا کی مشیت کے موثر وجود کا قائل ہے۔ بہرحال ہمیں فارابی اور بوعلی سینا کے بہت سے نظریات مثلاً طبعی پیش گوئی کا نظریہ، روح کا وجود اور چار حصوں میں دماغ کی تقسیم وغیرہ اپنی ابتدائی اور ادھوری شکل میں کندی کے فلسفہ میں نظر آتے ہیں۔

اگرچہ کندی کی تصنیفات بہت مقبول ہوئیں لیکن اس کے ''اصول،، کے اثرات زیادہ وسعت پذیر نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جب فلسفہ کا چرچا زیادہ ہوا تو لوگوں نے فارابی اور بوعلی سینا کو اس علم کا نمائندہ سمجھ لیا ان کی نسبتہً زیادہ تفصیلی اور زیادہ ہم آہنگ تصنیفات نے ان مصنفین کو وہ حیثیت عطا کردی جو نسبتہً زیادہ مقلد کندی کو حاصل نہ ہو سکی اسی سے کسی حد تک ہمیں اس بات کی وجہ بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ کیوں کندی کی کتابیں جو سجستانی کے زمانہ میں خاصی مقبول تھیں کچھ ہی دنوں بعد کمیاب اور تقریباً ناپید ہوگئیں۔

کندی اور اس کے فلسفہ کے بارے میں لوگوں کی آراء بڑی متضاد ہیں۔ اس کی شہرت نفرت اور محبت کی دو انتہاؤں کے درمیان ڈگمگاتی رہتی تھی۔ ہر بدعتی کی طرح کندی اور اس کے فلسفہ کو متشدد علما کی نفرت کا شکار بھی بننا پڑا اور اپنے شاگردوں کی محبت کا مرکز بھی۔ کندی ان افراد میں سے تھا جن کے فکر و عمل یا تو شدید ترین حقارت کو دعوت دیتے ہیں یا لامحدود قدر و منزلت کو۔ اپنے سائنسی اور فلسفیانہ اعمال کی بنا پر اپنی زندگی میں اس نے بہت سے علماء اور عوام کی دشمنی مول لی۔ ابومعشر کے ساتھ اس کا مقابلہ مثالی نوعیت کا حامل ہے۔ قفطی کی روایت ہے کہ ایک بار کندی

کا ایک پڑوسی بیمار پڑگیا لیکن صرف ان کے فلسفیانہ مشاغل نے اسے عیادت کے لئے پڑوس کے گھر نہ جانے دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے تقلیدی مزاج کے باوجود یونانیوں اور ان کے فلسفیانہ افعال سے الس کی وجہ سے کندی کو اپنی زندگی میں مرنے کے بعد سیکڑوں برس تک متشدد گروہ کی جانب سے نفرت اور حقارت ہاتھ آئی۔ ابو حیان التوحیدی کہتا ہے کہ کندی آسانی سے زک اٹھا جاتا تھا اور ایک بار وہ بہت سے سوالوں کے جواب نہ دے سکا وہ یمنیوں کا نقل مجلس ہے جو اس کے متعلق ایسی ایسی حکایتیں بیان کرتے ہیں جنھیں سن کر غم زدہ ہنس دے، دشمن مسرور اور دوست دلگرفتہ ہوں اور یہ سب یونانیوں کی "برکات" اور فلسفہ اور منطق کے "فوائد" ہیں۔

سعید نے کندی پر تجزیہ و تحلیل کو نظر انداز کرنے کا الزام لگایا اور دو صدیوں کے بعد قفطی نے اس الزام کو دھرایا۔ بہرحال اس ملامت کا سبب کندی کا فلسفہ نہیں بلکہ واضح طور پر ارسطاطیسی منطق کا عدم استعمال ہے۔ ابن رشد نے طب میں اس کے ریاضیاتی طریقوں پر تنقید کی اور انھیں غیر فنی قرار دیا۔ بارھویں صدی کے ایک حکیم عبداللطیف بغدادی نے خدا اور اس کی صفات پر ایک رسالہ لکھا جس کا واحد مقصد خود اس کے اپنے بیان کے مطابق کندی کے نظریات کی تردید تھا۔

دوسری جانب کندی کو خلفا کی امداد حاصل تھی اس کے بہت سے شاگرد مثلاً ابو الطیب السرخسی وغیرہ تھے جو اس کے علم کے مداح تھے اور اس کے موقف کا دفاع کرتے تھے۔ اپنی مشہور تصنیف القانون میں مسعودی سائنس کے مختلف موضوعات پر کندی اور اس کے شاگرد سرخسی کے حوالے جگہ جگہ بطور سند دیتا ہے۔ ابن جلجل کہتا ہے کہ کندی کے عہد کا کوئی دوسرا مفکر اس کی طرح ارسطو کے مفاہیم کی تہہ تک نہیں پہونچ سکتا تھا اور کندی کی تشریحات نے اس عظیم فلسفی کو سمجھنے میں

تمام اشکالات اور پیچیدگیوں کو دور کردیا ہے۔ ابن لباتہ کندی کو معتد
کی حکومت اور دربار کا ہیرا کہتا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ سعید کے الزامات
مقابلہ میں کندی کا دفاع کرتا ہے اور سعید کے سخت الفاظ کو بے جا تعصب
کندی کی کتابیں پڑھنے سے مزاحمت کے جذبہ پر محمول کرتا ہے۔

جہاں تک قرون وسطیٰ میں یورپ میں کندی کے اثرات کا تعلق
تو یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اس کی بہت سی کتابوں کے لاطینی میں اور
کے عبرانی میں ترجمے ہوئے تھے۔

ساتویں (تیرھویں) صدی ھجری کے ایک گمنام مصنف کی کتا
(Tractatus de erroribus philosphorum) میں کندی کے بارے میں لکھا
کہ اس کا میلان نجوم کی جانب تھا اور باطنیت میں وہ مسلک سکندری
ماہر تھا۔ بہر حال اس کے وہ خیالات جن کی بنا پر لوگ نادانی کے ساتھ
پر اعتراض کرتے ہیں وہ اول تو اس کا یہ نظریہ ہے کہ خدا کی ذات ناقا
تشریح ہے اور اعتراض کا دوسرا ہدف یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے کسی ایج
صفت کا قائل نہیں تھا۔

راجر بیکن (۱۲۱۴ء تا ۱۲۹۴ء) مناظریات کے بارے میں کندی
علم کی تعریف کرتا ہے اور جرونیموکاردانو (م ۱۵۷۶ء) اس کا شمار تار
عالم کے بارہ نکتہ رس دماغوں میں کرتا ہے۔ البرٹ اعظم خود پر کندی
رسالہ سے ضرور واقف ہوگا اور اس عرب فلسفی کا ذکر نام لے کر کرتا ہے۔

آج کل کندی کی اہمیت کا مرکز اس بات پر کہ عرب مسلم فلسفہ
اسے کیا مقام حاصل ہونا چاہئے اور اس کی جدت پسندی پر ہے۔ اب بھی
سے عرب ملکوں نے اپنے یہاں علوم فلسفہ کے نصاب میں کندی کو داخل ن
کیا ہے۔ عرب مسلم فلسفہ کے ایک ممتاز مورخ پروفیسر ابراھیم مدکور کن
کو محض فارابی اور ابن سینا کے لئے ''ایک راستہ ہموار کرنے والا'' سمجھا

ھیں ۔ ان کے نزدیک فارابی مسلم فلسفہ کا اصل بانی ہے اور کندی فلسفی سے زیادہ اپنے لغوی معنوں میں سائینس‌داں ہے ۔ علی عبدالرزاق بھی جو اسی میدان کا ایک اور رھبر اور رھنما ہے اسی رائے کا حامل ہے کہ کندی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عرب مسلم فکر میں نئے مسائل اور موضوعات شامل کئے ۔ ڈاکٹر فواد الاھوانی نے بھی اپنے تدوین کئے ھوئے کندی کے ''فلسفۂ اول،، والے رسالہ کی تمہید میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے ۔

پروفیسر محمد عبدالہادی ابوریدہ نے جن کے عمدہ اور عالمانہ نوعیت کے تدوین کئے ھوئے ''رسائل کندی،، کے ایڈیشن نے کندی کی فکر پر نئی روشنی ڈالی ہے ایک نسبۃً زیادہ انتہا پسندانہ رائے کے حامل ھیں یعنی کندی ایک کامل فلسفی تھا اور اسی وجہ سے فارابی نہیں بلکہ کندی عرب مسلم فلسفہ کا بانی ہے ۔ ابو ریدہ کہتے ھیں کہ فارابی نے کندی کی بنیادوں پر عمارت قائم کی لہذا عرب مسلم فلسفہ کی ابتداء فارابی سے نہیں بلکہ کندی سے ھوتی ہے ۔

جہاں تک کندی کی قوت تخلیق کا تعلق ہے ابو ریدہ اسے ایک خلاق مفکر سمجھتا ہے ۔ ایسا معلوم ھوتا ہے کہ اس نے کندی کے ماخذوں کا گہرا مطالعہ نہیں کیا ۔ ایف ، روزنتھال کا خیال ہے کہ کندی کی تصانیف ''اعلیٰ ترین مفہوم میں جدت کا مظاھرہ نہیں کرتیں بلکہ ایک انتہائی مفید غرض کو پورا کرتی ھیں ۔ ممکن ہے ان تصانیف میں جدت کی وہ ثانوی کیفیت موجود ھو جو معلوم حقائق کو ایک دوسرے طریقہ سے پیش کردینے پر منحصر ہے،، ۔

پروفیسر روز نتھال کی رائے میں کچھ صداقت ضرور ہے ۔ کندی کے پاس ایک عمدہ کتب خانہ تھا اور پھر بیت الحکمت تک اس کی رسائی تھی لہذا ھوسکتا ہے کہ اس نے یونانی اور دوسری تصنیفات سے کافی مضامین اخذ کئے

ہوں تاکہ ان کا خلاصہ کرکے انھیں رواج دے سکے۔ اس خیال کی تصدیق المنتخب کے ایک اقتباس سے بھی ہوتی ہے جس میں شاہ سجستان ابو جعفر ابن بابویہ کے محل میں فلسفہ پر ایک مذاکرہ کا بیان ہے۔ جب گفتگو اسلامی فلسفیوں تک پہونچی تو بادشاہ نے کہا ''ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو سقراط، افلاطون یا ارسطو کی جگہ لے سکے،، اس سے پوچھا گیا ''اور کندی کے بارے میں کیا خیال ہے؟،، اس نے کہا ''کندی بھی نہیں کیونکہ کثرت تصنیفات اور عمدہ دلائل کے باوجود اس کا طرز تحریر خراب اور بے مزہ ہے۔ اس کی زندگی بھی بہت زیادہ اثر انگیز نہیں ہے۔ اس نے فلسفیوں کی حکمت پر بڑی یورش کی،،۔ اس کے باوجود ہم دیانت داری کے ساتھ یہ کہہ نہیں سکتے کہ وہ محض پرانے خیالات کو نئے انداز میں پیش کرنے والا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ کے بہت سے بنیادی مسائل پر وہ خود اپنی رائے رکھتا تھا مثلاً تخلیق عالم در زمان، انہدام عالم بروز قیامت اور بقائے روح جو سب کسی نہ کسی حد تک فکر کے ایک ڈھانچہ میں پوری طرح سما جاتے ہیں اور اس کے فلسفہ کو ایک ربط اور اساسی وحدت عطا کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کندی نے ارسطو کے عالمی نظریہ کو عرب مسلم فکر کے سامنے پیش کیا لیکن تخلیق کے بارے میں اس کا جو رویہ ہے وہ اسے دوسرے فلسفیوں سے ممتاز کرتا ہے۔ اگر اس بارے میں اس کی باتیں نئی نہ ہوتیں تو وہ کلیتاً آزاد ہوتا اور یہی وہ حقیقت ہے جس میں ہمیں اس کے ''طریقہ،، کی خصوصیت اور اس کی جدت پسندی کو تلاش کرنا ہے۔

جہاں تک کندی کی سائنسی تصانیف کا تعلق ہے تو بدقسمتی سے ہم اس کتاب میں اس پر گفتگو نہیں کر سکتے بہر حال ہم اس کی سائنسی کارکردگیوں کے بارے میں چند الفاظ کہہ سکتے ہیں۔ دراصل یہ بہتر ہوگا اگر کوئی فاضل شخص اس عظیم فلسفی کی سائنسی تحریروں پر ایک مستقل کتاب لکھے۔

ے پہلا وجہ مہندس یا ھئیت‌داں نہیں سمجھ لیا گیا تھا ۔ اس کی بہت سی سانیف ان علوم سے متعلق ھیں جنھیں ہم آج علوم قطعیہ (Exact Scieuces) ہتے ھیں ۔ اس نے علوم قطعیہ کی جن شاخوں سے بحث کی ہے ان میں ریاضی، لیدس، اجرام فلکی، ھئیت، ھندسہ، ادویات، کیمیا، موسمیات اور ایسے ھی وسرے بہت سے علوم شامل ھیں ۔

موسیقی پر کندی پہلا عرب مصنف ہے ۔ اس موضوع پر اس کی تصانیف ں آواز کے زیروبم کے تعین کے لئے علامات موجود ھیں ۔ وہ کیمیاگری کو ک جھوٹا علم سمجھتا تھا ۔ اس نے ھندسی اور طبیعیاتی علم مناظر و مرایا کتابیں لکھیں اور ان کی بنیاد اقلیدس، ھیرون اور بطلیموس پر رکھی ۔ نظرات پر ں نے اپنی تصانیف کی بنیاد Tideus پر رکھی ۔ علم نجوم کے سلسلہ میں اس نے زیادہ انحصار بطلیموس یا اس کے شارح Theon پر کیا ۔ علم الادویہ یں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مرکب ادویہ کی تاثیر اجزاء کے صحیح تناسب پر منحصر ہے ۔ آسمان کے نیلے رنگ کے بارے میں اس کی شریح بڑی دلچسپ ہے ۔ اس موضوع پر بھی اس نے کچھ جدت اور آزادی کر کا مظاھرہ کیا ہے ۔